بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

أَلحَمْدُ لله رَبِّ العَالَمِين وَالصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِياءِ وَالمُرْسَلِينَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِه وَصَحْبِهٖ اَجمَعِين ، وَبَعْدُ:

090: سورۃالبلد کی مختصر تفسیر

جزء عم کی تفسیر کا درس جاری ہے اور آج کی نشست میں سورۃ البلد کی مختصر تفسیر بیان کرتے ہیں۔

سورۃالبلد مکی سورۃ ہے اور اس عظیم سورۃ کی آیات بیس ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

﴿لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ؕ﴿۴﴾
اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾ یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا ؕ﴿۶﴾ اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ؕ﴿۷﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ
عَیۡنَیۡنِ ۙ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیۡنِ ۙ﴿۹﴾ وَہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ﴿ۚ۱۰﴾ فَلَا اقۡتَحَمَ الۡعَقَبَۃَ ﴿۫ۖ۱۱﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡعَقَبَۃُ ﴿ؕ۱۲﴾ فَکُّ
رَقَبَۃٍ ﴿ۙ۱۳﴾ اَوۡ اِطۡعٰمٌ فِیۡ یَوۡمٍ ذِیۡ مَسۡغَبَۃٍ ﴿ۙ۱۴﴾ یَّتِیۡمًا ذَا مَقۡرَبَۃٍ ﴿ۙ۱۵﴾ اَوۡ مِسۡکِیۡنًا ذَا مَتۡرَبَۃٍ ﴿ؕ۱۶﴾ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِیۡنَ
اٰمَنُوۡا وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَۃِ ﴿ؕ۱۷﴾ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡمَیۡمَنَۃِ ﴿ؕ۱۸﴾ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِنَا ہُمۡ اَصۡحٰبُ
الۡمَشۡئَمَۃِ ﴿ؕ۱۹﴾ عَلَیۡہِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَۃٌ ﴿۲۰﴾﴾ (البلد: 1-20)۔

ان عظیم آیات کا ترجمہ اور مختصر تفسیر:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾ (نہیں میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں)۔

عربی لغت کے اعتبار سے لَا کا حرف نفی کے لیے نہیں ہے بلکہ تاکید القسم کے لیے ہے، اگر قسم سے پہلے لَا کا حرف آجائے تو اس کا مطلب نفی نہیں ہوتا یہ عربی زبان کے قواعد میں سے ایک بنیادی قاعدہ ہے۔

﴿لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی: اور ﴿لَآ﴾ جو ہے اس سے جملے کا افتتاح ہوتا ہے ابتدائے کلام کے لیے اور اس کے دو فائدے ہوتے ہیں: (۱) ایک قسم کی تاکید کے لیے۔ (۲) اور دوسرا تنبیہ کے لیے۔

عربی زبان میں جب کسی کو متنبہ کر کے کوئی خبر دینی ہوتی ہے تو لَا سے بھی جملے کی ابتداء کی جاتی ہے جیسا کہ اس عظیم سورۃ میں ہے اور کئی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قسم کو یا قسم سے پہلے قسم کی تاکید لَا سے کی ہے، یہاں پر: ﴿لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾۔

دوسری مثال: ﴿لَآ اُقۡسِمُ بِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ۝١﴾(القيامة: 1)۔

اور مثال: ﴿فَلَآ اُقۡسِمُ بِمَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝٣٨ وَمَا لَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝٣٩﴾ (الحاقة: 38-39)۔

اور قرآن مجید میں کئی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے اس عظیم اور پیارے انداز بیان کو یا اس پیارے انداز بیان سے قسم کا آغاز کیا ہے۔

﴿بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾ سے مراد مکہ معظمہ ہے دنیا کی سب سے پاک اور سب سے عظیم زمین۔

اور قسم سے مراد قسم کی کیا تعریف ہے؟ اگر قسم کے صیغے کو دیکھا جائے یا آسانی کے لیے تاکہ آپ کو یہ تعریف یاد ہو جائے کہ ایک خاص مخصوص قسم کا صیغہ ہے جس میں کسی خاص عظیم ذات کو خاص طریقے سے بیان کیا جاتا ہے کسی خاص مقصد کے لیے۔ خاص مقصد کیا ہے؟ تاکید۔ آپ کوئی بات کر رہے ہیں اس بات سے آپ کا مقصد ہے کہ لوگ جو ہیں اس بات کو مان جائیں تو آپ خاص طور پر اس بات کو تاکید کر کے بیان کرتے ہیں؛ مقصد ہوتا ہے تاکید تاکہ لوگ آپ کی بات کو مان لیں۔

تو قسم میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں:

(۱) سب سے پہلے بات کی تاکید۔ (۲) کسی عظیم ذات کا ذکر کر کے۔ (۳) مخصوص طریقے سے۔

تین چیزیں پائی جاتی ہیں جب یہ کسی جملہ میں تو اسے صیغ القسم کہتے ہیں۔

یہاں پر دیکھیں کہ قسم جو ہے اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں قسم کس چیز کی کھائی جا رہی ہے؟ ﴿بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾: مکہ معظمہ کی، اور مکہ معظمہ جو ہے عظیم ہے جگہ کے اعتبار سے شہروں کے اعتبار سے سب سے عظیم جگہ جو ہے پاک جگہ جو ہے وہ مکہ ہے۔

خصوصی طریقے سے اللہ تعالیٰ اس بات کی تاکید کر رہے ہیں کہ مکہ معظمہ جو ہے ایک عظیم جگہ ہے یہ مخصوص طریقہ کیا ہے؟ ﴿اُقۡسِمُ﴾ کا لفظ ہے اور اس سے پہلے لَا ہے اس کی تاکید کے لیے، تو ذکر معظم ہے مخصوص طریقے سے تاکید کے لیے؛ یہ تین چیزیں پائی گئی ہیں تو یہ قسم ہے۔

﴿وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾ (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر میں اُترے ہوئے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام مکہ معظمہ میں رہتے تھے، ہجرت سے پہلے بھی رہتے تھے ہجرت کے بعد بھی رہتے تھے، یعنی ہجرت سے مراد فتح مکہ اور فتح مکہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے فتح مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے پیارے گھر کو شرک سے پاک کیا۔ کعبہ کے ارد گرد بُت موجود تھے کہا جاتا ہے کہ تین سو ساٹھ (360) بُت تھے جن کی عبادت کی جاتی تھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور فتح مکہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے اس پاک گھر کو شرک سے پاک کیا۔

تو مفسرین کی یہاں پر دو تفسیریں موجود ہیں:

(۱)﴿وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾: قسم ہے اس شہر کی، اور قسم کی تاکید کی جا رہی ہے لاَ سے۔

﴿وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾: اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شہر میں اُترے ہوئے ہیں یعنی اس شہر میں موجود ہیں سکونت اختیار کی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہونا مکہ میں اس عظیم جگہ کی شان میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ شان دگنی ہو جاتی ہے جب اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں موجود ہوتے ہیں۔

(۲)اور دوسرا معنی یہ ہے﴿وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع پر یہ بیت الحرام جو ہے حرمت کی جگہ جو ہے اس کی حرمت کو وقتی طور پر پامال کیا گیا فتح مکہ کے لیے اور وہ بھی خصوصی طور پر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے، اجازت تھی اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ میرے اس گھر کو شرک سے پاک کرنا ہے۔ حرمت اللہ تعالیٰ کے گھر کی عظیم ہے اگرچہ شرک بھی ہوتا تھا لیکن حرمت پھر بھی موجود تھی لیکن یہ حرمت ناقص تھی اس حرمت کو تکمیل تک پہنچنا ہے، اور جب تک شرک موجود تھا تو اصل مقصد جس کے لیے یہ گھر بنایا گیا ہے وہ مقصد موجود نہیں تھا کیونکہ اگر شرک موجود ہے تو پھر توحید موجود نہیں ہو سکتی، ایک جگہ پر دونوں موجود نہیں ہو سکتے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رُسل کو کیوں بھیجا؟ انبیاء کو کیوں بھیجا کس لیے بھیجا ہے؟ توحید کے لیے توحید عبادت کے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام تیرہ سال مکہ میں صبر کرتے رہے اور مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد بھی آٹھ سال تک انتظار کرتے رہے صبر کرتے رہے، ہجرت کے آٹھویں سال اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوتی ہے (یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے کہ مکہ کو فتح کرنا ہے)، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے یہ عظیم انعام اور احسان عطا فرماتے ہیں اور مکہ فتح ہو جاتا ہے۔

﴿وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ﴾: اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں اُترے ہوئے ہیں اور حلال ہو گیا ہے یہ شہر، اس کی حرمت جو ہے وقتی طور پر آپ کے لیے حلال ہو گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "بلد الحرام کی حرمت جو ہے یہ وقتی طور پر صرف خصوصی طور پر میرے لیے جو ہے حلال کر دی گئی تھی اب اس کی حرمت واپس چلی گئی جیسا کہ پہلے تھی فتح مکہ کے بعد"۔

یعنی اب اس کے بعد فتح مکہ کے بعد کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ مکہ معظمہ پر کوئی حملہ کرے یا اس پر کوئی بھی یعنی جس کی وجہ سے بدامنی ہو یا خونریزی ہو، یہ بلد الحرام ہے، بلد الأمین ہے پاک جگہ ہے پاک گھر ہے، امن وامان کی جگہ ہے یہاں پر خون کا ایک قطرہ بہانا بھی ناجائز ہے جائز نہیں ہے، جنگ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ﴾(اور قسم کھاتا ہوں والد کی اور اولاد کی)۔

علماء نے اس کے دو معنی لیے ہیں: (۱) ایک قول یہ ہے مفسرین کا کہ ﴿وَالِدٍ﴾ سے مراد سیدنا آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہیں ﴿وَّمَا وَلَدَ﴾ سے مراد آدم کی اولاد ہے صرف انسان ہے۔ (۲) اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ﴿وَالِدٍ﴾ سے مراد ہر والد ہے، جس نے بھی بچہ پیدا کیا ہے چاہے انسان ہو یا جانور ہو کوئی بھی ہو اس سے مراد یعنی والد جو ہے عمومی طور پر، ﴿وَّمَا وَلَدَ﴾ جو اس نے پیدا کیا (اس والد نے) جو بھی اس کی اولاد ہے چاہے انسان ہو یا درند ہو یا پرند ہو کوئی بھی ہو تو سب اس میں شامل ہیں۔

جواب القسم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ﴾ (تحقیق یقیناً ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے)۔

قسم کھانے کا مقصد ہوتا ہے ان معظم چیزوں کا جن کا ذکر کیا اللہ تعالیٰ نے جس میں البلد الحرام ہے مکہ کا شہر ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شہر میں سکونت اختیار کی ہوئی تھی جس سے اس عظیم شہر کی شان میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

اور ہر والد اور ہر اولاد کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے قسم کیوں کھائی ہے وجہ کیا ہے؟ ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ﴾ (تحقیق یقیناً ہم نے انسان کو کبد میں پیدا کیا ہے)۔

کبد کے دو معنی مفسرین فرماتے ہیں: (۱) پہلا معنی یہ ہے کبد کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴﴾ بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے (التین: 4)، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ کبد سے مراد بہترین ساخت ہے۔ (۲) دوسری مراد کبد کی جیسا کہ میں نے ترجمہ میں بیان کیا ہے کہ کبد سے مراد مشقت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یقیناً ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا ہے۔

اور ان دونوں میں سے کون سا معنی صحیح ہے؟ دونوں معنی صحیح ہیں کیونکہ تفسیر کا قاعدہ کیا ہے؟ کہ اگر ایک سے زیادہ معنی ہوں کسی آیت کا اور ان میں تضاد نہ ہو آپس میں ٹکراؤ نہ ہو دونوں کو جمع اگر کیا جا سکتا ہے تو پھر دونوں معنی لیے جاتے ہیں، اور یہاں پر دونوں معنی موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے انسان اپنی شکل وصورت سے دوسری مخلوقات سے بہتر ہے اور افضل ہے؛ دیکھ لیں جانور کو دیکھ لیں میں کئی دفعہ ایک مثال دیتا ہوں یاد دہانی کے لیے تاکہ ہم دیکھیں کہ کتنی بڑی نعمت ہے یہ انسان ہونا، صرف انسان ہونا واللہ بڑی نعمت ہے!

اور پھر دیکھیں انسان کے بعد اللہ تعالیٰ نے کتنی نعمتیں ہمارے اوپر نازل فرمائی ہیں محض اپنے فضل وکرم سے جس میں اسلام سب سے بڑی نعمت ہے، پھر مسلمانوں میں بہت سارے لوگ ہیں بہت سارے مسلمان ہیں جو غلط عقائد کا راستہ اختیار کرنے والے ہیں اور غلط مناہج پر چل رہے ہیں اہل بدعت بھی موجود ہیں، پھر صحیح سچا مسلمان موحد متبع سنت، پھر سنت کا دعویٰ کرنے والے بہت سارے غلط مناہج بھی ہیں؛ کتنا بڑا انعام ہے کہ انسان ہے مسلمان ہے، موحد ہے، متبع سنت ہے اور منہج السلف پر قائم ہے! کتنا احسان ہے اللہ تعالیٰ کا!

اگر آپ جانوروں کی زندگی دیکھ لیں، بہترین ساخت پر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے یہ الگ سے نعمت ہے کہ ہم انسان ہیں اس کی مثال دیکھیں ہم کھانا کیسے کھاتے ہیں، پانی کیسے پیتے ہیں، پانی پینے کے لیے ہم پانی کو اپنے منہ تک لے کر جاتے ہیں۔ سب سے پہلے دیکھیں کہ ہمارا منہ ہے کہاں پر جسم کے کس حصے میں ہے؟ سب سے اوپر والے میں جو بلند حصہ ہے عزت ہے شرف ہے۔ جانور کا منہ کہاں پر ہے؟ اس کے دُبر کے لیول پر ہے یعنی سَر جانور کا دیکھیں اگلا حصہ پچھلا حصہ اس کا بالکل برابر ہے ایک ہی لیول پر ہے۔ انسان کا دیکھ لیں سَر کہاں پر ہے؟ سب سے بلند حصے میں ہے۔

جانور پانی کیسے پیتا ہے؟ اپنا پورا منہ زمین پر مار کر پیتا ہے وہ پانی اس کی ناک میں بھی جا رہا ہے وہ پانی اس کے منہ میں بھی جا رہا ہے لیکن وہ زندہ ہے اور اپنے ربّ کا شکر کرتا رہتا ہے کہ وہ ایسے زندہ ہے اور اس کے ربّ نے اسے اس پانی کی نعمت سے نوازا ہے اور نواز رہا ہے۔ انسان کیسے پانی پیتا ہے اپنا منہ زمین پر مارتا ہے؟ جھک کر سجدے کی حالت میں پانی پیتا ہے یا خود پانی اپنے ہاتھ سے اٹھاتا ہے اور اپنے منہ کی طرف لے کر جاتا ہے؟ یہ شرف دیکھا ہے! یہ صلاحیت کس نے دی ہے انسان کو؟ پیدا کس نے کیا ہے؟ خلق کے اعتبار سے دیکھ لیں آپ کہ سَر سب سے بلند جگہ پر ہے، پھر عزت سے وہ کھاتا ہے عزت سے وہ پیتا ہے عزت سے وہ جیتا ہے، اور باقی جتنے بھی یہ درند اور پرند ہے اللہ نے انہیں مسخر کر دیا ہے اس انسان کے لیے چاہے کافر کیوں نہ ہو (سبحان اللہ) کیونکہ انسان کا شرف ہے کہ وہ انسان ہے، اور یہ انسان جو ہے زندگی کے مختلف مراحل سے گزرتا ہے ہر مرحلے میں مشقت ہی مشقت ہے۔ جب نطفہ تھا، دیکھیں اور احسان اللہ تعالیٰ کا دیکھیں کہ نطفے سے علقۃ ہے پھر علقۃ سے مضغۃ ہے، پھر مضغۃ سے ہڈی بن جاتی ہے، پھر ہڈی کے اوپر گوشت آجاتا ہے، پھر خلق آخر بن جاتا ہے خوبصورت انسان بن جاتا ہے۔

اللہ کا کرم دیکھیں کہ ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ایک نطفے سے ہم پیدا ہوتے ہیں اور اتنا بچہ ماں کے پیٹ کے اندر بن جاتا ہے؟! اگر اس وقت ہمیں اپنا ہوش ہوتا تو کتنی تکلیف ہوتی! اگر تھوڑا سا یہاں پر کوئی دبا دے ہڈی کو تھوڑا سا کتنا درد ہوتا ہے؟! کوئی یوں کھینچ لے کیسے درد ہوتا ہے؟! اب ماں کے پیٹ کے اندر ان سب مراحل سے گزر کر دنیا میں آئے ہیں ہم لوگ لیکن اس کریم کا کرم ہے ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔

ماں کے پیٹ کے اندر ان ظلمتوں میں ان پردوں میں ہم رہتے ہیں، ماں اٹھتی ہے بیٹھتی ہے چلتی ہے پھرتی ہے لیٹتی ہے سوتی ہے جاگتی ہے ہمیں کچھ پتا چلتا ہے؟! (سبحان اللہ) اور احسان ہے، اور ہر طرف سے پانی میں گھرے ہوتے ہیں ہم لوگ، کشن افیکٹ (Cushion effect) ہوتا ہے کہ اگر کوئی چوٹ بھی لگ جائے تو ہمیں چوٹ نہ لگے پانی جو ہوتا ہے وہ ہمیں بچا لیتا ہے اس چوٹ سے (سبحان اللہ)۔

قرار مکین میں زندہ ہوتے ہیں ماں کے پیٹ کے اندر اگرچہ مشقت ہے لیکن اس کا ہمیں احساس نہیں ہے، پھر پیدا ہوتے وقت کتنی مشقت ہے ماں کے لیے الگ ہے بچے کے لیے الگ ہے، پیدا ہوتے ہی ہم روتے ہیں مشقت ہے، دنیا میں آ چکے ہیں فوراً بھوک لگ جاتی ہے اور اس بھوک کو مٹانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پھر راستہ آسان کیا کہ ماں کے پیٹ کے اندر غذا ماں کے خون سے آتی ہے پلاسنٹا (Placenta) کے ذریعے اور ہمارے جسم کی صفائی جو ہے گندگی وہ ادھر ہی چلی جاتی ہے اور وہ بھی صاف ہو جاتی ہے (سبحان اللہ)، پھر انسان آہستہ آہستہ بڑا ہوتا جاتا ہے جب ہوش سنبھالتا ہے تب حقیقی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

آج کا نظام تعلیم کچھ مشکل ہو گیا ہے بچوں کے لیے اُن کے لیے بچپن سے ہی مشقت ہے، یعنی بعض والدین تین سال کے بچے کو یا ڈھائی سال کے بچے کو اسکول میں لے کر جانا چاہتے ہیں؛ اسکول میں کیا ہوتا ہے؟ ڈسپلن ہوتا ہے کہ کرنا ہے نہیں کرنا ہے۔ بچے کی عمر نہیں بچے کو سمجھانے کی اچھی تربیت کی ضرورت ہے؛ بہر حال یہ الگ موضوع ہے۔

بچہ بڑا ہو جاتا ہے جوان ہو جاتا ہے اب جب وہ بالغ ہو جاتا ہے اس کی اصل مشقت اور مکابدہ شروع ہو جاتا ہے، اب دیکھیں شرعاً اس کے اوپر فرائض ہیں اور محرمات ہیں: فرائض کی ادائیگی کے لیے مشقت ہوتی ہے کہ نہیں؟ الگ سے مشقت ہے۔ محرمات سے اجتناب مشقت ہے کہ نہیں؟ یہ الگ سے مشقت ہے۔ پھر دنیا کے اعتبار سے روزگار کی تلاش ہے اس کے لیے مشقت ہے، پھر اس روزگار میں حلال کمانا ہے الگ سے مشقت ہے، پھر آہستہ آہستہ انسان جو بھی اس کا دن کیسے گزرتا ہے کہ کبھی کوئی تکلیف، کبھی بیماری، کبھی سر درد، کبھی زکام، تو صحت کا الگ سے پرابلم ہے یہ الگ سے مشقت ہے، پھر دنیا کی پریشانیاں ہیں،

انسان کبھی کچھ پا رہا ہے کبھی کچھ کھو رہا ہے، کبھی مال آرہا ہے کبھی جا رہا ہے کبھی نفع کبھی کوئی نقصان، تو مشقت ہی مشقت ہے اُس کی صحت کے اعتبار سے جسم کے اعتبار سے، اس کی مال و دولت کے اعتبار سے۔

پھر اس کے پیارے ہیں؛ کوئی بچہ پیدا ہو رہا ہے کوئی بچہ دنیا سے جا رہا ہے، کسی کی شادی ہو رہی ہے کسی کو خوشی ہے کسی کی غمی ہے یہ سب کیا ہے؟ مشقت مکابدہ ہے۔

تو دنیا کی جگہ ہی اصل میں یہ جو دنیا ہے یہ کبد کی جگہ ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں پیدا کیا ہے، آخرت ہمیں مل نہیں سکتی جب تک دنیا سے گزر کر نہیں جائیں گے ہم، ہر انسان نے یہاں سے گزرنا ہے: ﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ﴾۔

اور انسان جو ہے ان مشکل مراحل سے گزر کر بعض لوگ کیونکہ انسان ہے جب ہم انسان کی بات کرتے ہیں تو اس میں مومن جو ہے وہ بھی شامل ہوتا ہے لیکن جب الگ سے انسان کی بات کرتے ہیں، اس وقت ہم انسان کی بات کر رہے ہیں صرف اہل ایمان کی بات نہیں کر رہے ٹھیک ہے اگرچہ یہ سب ان مراحل سے گزر کر جاتے ہیں اب ان میں سے جو انسان (اگلا ذکر اس انسان کا ہو رہا ہے) یہی انسان جو اپنے ربّ کا نافرمان ہے جو صرف انسان ہے جو فرائض کو جانتا نہیں ہے محرمات سے اجتناب کرتا نہیں ہے اور اس دنیا میں مومنوں کی طرح یہ بھی مکابدہ کرتا رہتا ہے مجاہدہ کرتا رہتا ہے اور ان مشکلات سے گزر کر زندگی جیتا رہتا ہے اور ان سارے جو بھی پرابلم جو بھی مشقت تھی ان سے نمٹ لیتا ہے۔

تو ایک ایسا مرحلہ انسان کی زندگی میں آتا ہے وہ کہتا ہے کہ میرے جیسا کوئی نہیں ہے اب میں ایسا کچھ کرنے والا ہوں جتنی بھی پریشانیاں ہوتی ہیں میں سامنا کر سکتا ہوں مشقتوں کا میں سامنا کر سکتا ہوں، اس دنیا کا میں سامنا کر سکتا ہوں؛ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡهِ اَحَدٌ﴾ (کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس پر ہرگز کسی کا بس نہیں چلے گا)۔

یعنی سب کچھ تمہیں مل گیا ہے، تمہیں طاقت بھی مل گئی ہے تمہیں عقل بھی مل گئی ہے، تمہیں صحت بھی مل گئی ہے اور تم اس قابل ہو گئے ہو کہ دنیا کی اس مشقت سے نمٹ سکو اور سامنا کر سکو اب تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ اب کوئی تمہیں پکڑ نہیں سکتا اور نہ ہی کسی کا بس تم پر چلتا ہے!

﴿یَقُوۡلُ اَهۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ (مال کے اعتبار سے کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا ہے)۔

میرے پاس بہت سارا مال ہے بیماری ہوتی ہے فوراً علاج کروا لیتا ہوں، کوئی تکلیف ہوتی ہے تو پیسوں سے میں اس کو دور کر دیتا ہوں، بھوک مجھے لگتی نہیں ہے پیاس مجھے پتہ نہیں ہوتی کیا ہے، میں بہت سارا مال خرچ کرنے والا ہوں۔

اچھا تم مال خرچ کہاں پر کر رہے ہو اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر رہے ہو یا اپنے ربّ کو ناراض کر رہے ہو؟

اس لیے پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ﴾ (کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا)۔

تمہارا ربّ تمہیں دیکھ رہا ہے تم کر کیا رہے ہو! کیا واقعی تم اپنے اس مال سے جو بہت سارا مال تم نے کمایا ہے خود ہی کمایا ہے بغیر کسی کے احسان کے بغیر کسی کی توفیق کے؟! کیا تم اس قابل ہو واقعی کہ تم اپنی مرضی سے صرف اپنے ربّ کے رحم و کرم کے بغیر خود ہی سب کچھ کر سکتے ہو؟! اور پھر جہاں پر تم یہ مال خرچ کر رہے ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں کوئی دیکھنے والا نہیں ہے (یعنی کوئی حساب لے گا نہیں تم سے کہ تم کیا کر رہے ہو اور کہاں پر خرچ کر رہے ہو اپنے اس مال کو)؟!

اور پچھلی قوموں کو دیکھ لیں پھر جتنی قومیں بھی گزری ہیں جب انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سامنے کھڑے ہو گئے اور انبیاء کی دعوت میں رکاوٹ ڈالنا شروع کر دی مذاق اُڑانا شروع کر دیا مختلف تکلیفیں پہنچائیں! اور یہاں تک پہنچے کہ جو تمہارا تمہارے ربّ سے وعدہ ہے کہ ہمارے اوپر عذاب نازل کرے گا وہ ہمیں دکھاؤ تو سہی کہ عذاب کیسا ہوتا ہے ہم تو نہیں مانتے؟! نعوذ باللہ یہاں تک پہنچ گئے!

وجہ کیا ہے؟ کہ دنیا کی آسائشیں ساری مل چکی تھیں، جو دنیا کی کوئی تکلیف پہنچتی تھی اُس سے نمٹنا جانتے تھے اُس کا سامنا کرنا جانتے تھے تو انہوں نے کہا کہ اب ہمارے جیسا کوئی نہیں ہے!

یعنی قوم ثمود کو دیکھ لیں قوم عاد کو دیکھ لیں اُن کی زندگی کیسی تھی؟ دنیا میں بہت بڑی طاقت تھے۔

فرعون کو دیکھ لیں، نمرود کو دیکھ لیں اور دیگر جتنے بھی اہل کفر آئے ہیں دنیا میں سب یہی کہتے تھے کہ اپنے مال سے کچھ بھی کر سکتے ہیں ہم! اپنی صحت سے اپنی عقل سے اپنی ٹیکنالوجی سے اپنی اِس طاقت سے یا اُس سے طاقت سے کچھ بھی کر سکتے ہیں ہم! تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ﴾ (کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے)۔

اور حقیقت ذرا سن لیں اب کہ تمہاری جو صلاحیت ہے یہ جو توفیق ہے یہ تمہارا کہنا کہ میں نے بہت سارا مال خرچ کیا ہے یا میں بہت کچھ کر سکتا ہوں حقیقت سن لیں: ﴿اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ﴾ (کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں)۔

اگر آنکھیں نہ ہوتیں کیا تم اس قابل تھے کہ کچھ کر سکتے تھے دنیا میں؟! اگر نہ ہوتیں چار قدم چل سکتے ہو سیدھا چل سکتے ہو بغیر ٹھوکر کھائے؟! اگر یہ آنکھیں نہ ہوتیں دو روزگار کمانے کے قابل ہوتے؟! اگر یہ دو آنکھیں نہ ہوتیں اگر ہم نے تمہیں یہ دو آنکھیں نہ دی ہوتیں تو اس دنیا میں تمہاری کوئی حیثیت نہ ہوتی!

﴿وَلِسَانًا وَّ شَفَتَيۡنِ﴾(اور زبان اور دو ہونٹ ہم نے تمہیں دیئے ہیں)۔

آج تم بات کرنے کے قابل ہو اور بات بڑی آسانی سے کر سکتے ہو، زبان کو ہلاتے ہو اور ہونٹوں کی حرکت سے آپ بات کر سکتے ہو؛ اور یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے واللہ! زبان تو جانور کی بھی ہے لیکن وہ بول نہیں پاتا کیونکہ صرف زبان کا ہونا کافی نہیں ہے، ہونٹ جانور کے بھی ہیں؛ نہیں ہیں ہونٹ جانور کے؟! اُس کے بھی ہیں۔ تو صرف زبان اور ہونٹ کا ہونا کافی نہیں ہے بات کرنے کے لیے انسان بات کرتا ہے اپنے ربّ کی اجازت سے اپنے ربّ کے حکم سے بات کرتا ہے، یہ صلاحیت محض اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیت ہے کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انسان جو ہے وہ حیوان ناطق ہے (بولنے والا جانور ہے)؛ غلط ہے! انسان جانور نہیں ہے انسان انسان ہے۔

یعنی بیالوجی میں ہم نے بھی پڑھا ہے اور پڑھاتے بھی ہیں کہ انیمل کنگڈم (Animal Kingdom)؛ پڑھا ہے کہ نہیں پڑھا؟ اس میں انسان کو شامل کیا کہ نہ کیا؟ میرے بھائی انیمل کنگڈم (Animal Kingdom) کا انسان سے کیا تعلق ہے؟! جو جانور ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے جانور ہی پیدا کیا ہے اس کے ماں باپ سارے جانور ہی ہیں، شروع سے لے کر آخر تک جانور ہی جانور ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مقام دیا ہے یہ انسان اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی، سب سے پہلے نبی کی اولاد ہیں، انسان کسی جانور سے ٹرانسفر ہو کر جانور سے انسان نہیں بنا بندر سے نہیں بنا، انسان انسان ہے اور بندر بندر ہے دو الگ چیزیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صلاحیت دی ہے بات کرنے کی کیونکہ پیدائشی طور پر وہ انسان جو ہے بولنے والا ہے، یہ نہیں کہ پہلے جانور تھا پھر اس میں تبدیلی آئی پھر وہ پہلے نہیں بولتا تھا جب بندر تھا جب انسان بنا تو بولنا بھی شروع کر دیا!

الغرض انسان بولتا کیسے ہے کبھی نوٹ کیا ہے؟ اس کے لیے سانس کا لینا، پھر پھیپھڑوں سے جب ہوا خارج ہوتی ہے پھر حلق سے جاتے ہوئے ساؤنڈ باکس (Sound box) میں جاتی ہے پھر منہ کی طرف آتی ہے پھر زبان کو حرکت ہوتی ہے، پھر ہونٹ بھی ملتے ہیں، پھر کلمات بنتے ہیں پھر انسان بولتا ہے۔

یہ چیزیں جانور کے پاس نہیں ہیں کیا؟ جانور کے پھیپھڑے ہیں کہ نہیں ہیں؟ سانس وہ لیتا ہے کہ نہیں لیتا ہے؟ اس کا بھی حلق ہے اس کی زبان اور ہونٹ بھی ہیں لیکن اس کو اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں سے محروم کیا ہے اس کے پاس نہیں ہیں؛ ساؤنڈ باکس (Sound box) اس کے پاس نہیں ہے، ووکل کورڈز (Vocal Cords) ہوتے ہیں خصوصی وائبریشن سے جب یہ سانس جو ہے ہم ایکسپریشن (expression) لیتے ہیں پھر جب ایکسپریشن (expression) یعنی سانس باہر نکالتے ہیں ووکل کورڈز (Vocal Cords) سے یہ ہوا جو گزرتی ہے اس میں وائبریشنز ہوتی ہیں مختلف قسم کی تو ایک ٹون (Tone) سی بن جاتی

ہے آواز کی پھر حلق سے گزرتے ہوئے اور حرف بنتا ہے حلق میں اور اوپر تالو میں اور حرف بنتا ہے، آگے دانتوں کے بیچ میں اور حرف بنتا ہے، زبان جب دو دانتوں کے بیچ میں آتی ہے اور حرف بنتا ہے، جب سائیڈ پر ہوتی ہے اور حرف بنتا ہے، جب زبان کو اوپر لگاتے ہیں اور حرف بنتا ہے؛ مختلف حروف بنتے ہیں اور انسان فروانی میں بغیر سوچے سمجھے جب بات کرتا ہے تو زبان نے کہاں پر جانا ہے کیسے کرنا ہے واللہ اپنے بس کی بات نہیں ہے!

اگر ہم کمپیوٹر کے ذریعے بٹن دبائیں جیسے لکھتے ہیں نا یعنی سب سے اسپیڈ جس کی تیز ہو لکھنے کے لیے کی بورڈ (Keyboard) پر اگر ہم ویسے بولیں جیسے ہم لکھتے ہیں مشکل ہوتا کہ نہیں؟ دیکھیں ایک ایک حرف لکھتے ہیں نا ایک ایک حرف بولتے بھی ہوں ویسے جیسے ہم لکھتے ہیں اگر بولنے کے لیے اسی کی بورڈ (Keyboard) کے سہارے سے ہمیں بولنا ہو تو کتنا مشکل ہوتا ہمارے لیے! اور ہم کتنا بولتے! اس فروانی سے ہم لکھ سکتے ہیں؟

ہم جب میسج لکھتے ہیں واٹس اپ (WhatsApp) پر جتنا لمبا میسج لکھیں تھک جاتے ہیں کہ نہیں؟ ایسے ہی یہ بھی گوشت کے ٹکڑے ہیں ہاتھوں میں یہ بھی گوشت کا ٹکڑا ہے؛ اس گوشت میں ہاتھوں کی جو ہڈیاں ہیں اور گوشت اس میں زیادہ مضبوط ہے کہ نہیں؟ اس میں ہڈیاں بھی ہیں اور ایک سے زیادہ گوشت کے ٹکڑے ہیں؛ زبان ایک ہی ہے انسان کی اور ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے جو کبھی تھکتا نہیں ہے، بولنا شروع کرے تو پھر بریک لگتی نہیں ہے (سبحان اللہ)، الغرض؛ تو یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔

دو آنکھیں ہیں، ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں: آنکھوں سے انسان کے لیے ایکسس (Access) ہے اندر جانے کے لیے انسان دیکھتا ہے بات دل میں اُترتی ہے پھر ایکسپریشن (Expression) کے لیے کیا ہے انسان اپنے دل کی جو بات ہے کیسے بتاتا ہے؟ کیسے شیئر کرتا ہے؟

آج ایک سوال آیا تھا بڑا عجیب سا کہتے ہیں ایک گونگا اور بہرا ہے بیوی کو طلاق دینی ہے کیسے دے گا؟ میں نے کہا لکھ کر دے گا۔ کہتے ہیں اَن پڑھ ہے؟ اور مصیبت ہے! ایکسپریشن (Expression) سے۔ اُن کے اپنے اشارے ہوتے ہیں، گونگوں کی جو ہے اپنی خاص لینگویج ہوتی ہے اشارے سمجھتے ہیں، تو عدالت میں جائے گا اور اپنے اشاروں سے بتائے گا۔

کہتے ہیں کہ نہیں، اسے مجبور کیا گیا ہے! اگر اسے مجبور کیا گیا ہو طلاق یعنی پیپر لے کر آئیں اس پر دستخط کروا دیا انگوٹھے لگوا دیئے، پہلے وہ دینا چاہتا تھا اب وہ دینا نہیں چاہتا ہے اب صورت اور سنگین ہو گئی ہے؛ یعنی گونگا بھی ہے بہرا بھی ہے، پہلے دینا چاہتا تھا جب انگوٹھے لگوائے اس وقت نہیں دینا چاہتا تھا طلاق ہوئی کہ نہ ہوئی؟ میں نے کہا بھئی اس سے پوچھو۔ کہتے ہیں کیسے پوچھیں اُس سے وہ تو بول ہی نہیں سکتا!

توظاہر ہے عدالت میں جاناپڑے گااور پھر پتہ لگایا جائے گا کہ اس نے واقعی طلاق دی ہے کہ نہیں کیونکہ مکرہ کی طلاق نہیں ہوتی؛ مجبوراًاگر کسی پر دستخط کرائے جائیں خاوند سے اور اس کا انگوٹھا لگایا جائے تو طلاق نہیں ہوتی۔

الغرض؛تو کتنی بڑی نعمت ہے! ہم اپنے جو دل کی بات ہے زبان پر فروانی سے لے کر آتے ہیں کتنی بڑی نعمت ہے!

آپ اپنے دوست سے بات کرتے ہیں، بیوی سے بات کرتے ہیں بچوں سے بات کرتے ہیں سمجھاتے ہیں، ٹیچر کو دیکھ لیں سارا دن بولتا رہتا ہے اسی نعمت سے بولتا ہے کیسے بولتا ہے پھر؟!(سبحان اللہ)۔اسٹوڈنٹ جواب کیسے دیتے ہیں؟اسی زبان سے دیتے ہیں،تو دنیا کا پہیہ اسی زبان سے چلتا ہے،ان ہی آنکھوں سے چلتا ہے ان ہی کانوں سے چلتا ہے۔

اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی مختلف نعمتیں ہیں اور اِس سے بڑھ کر اگلی نعمت باقی ہے، آنکھیں ہوں نہ ہوں زبان ہو یا نہ ہو ہونٹ ہوں یا نہ ہوں لیکن یہ اگلی نعمت جو ہے اس کا ہونا لازمی ہے کامیابی کے لیے ، پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾(اور ہم نے اسے دونوں راستے دکھادیئے)۔

دونوں راستے ہیں خیر کا راستہ ہے اور شَر کا راستہ ہے، فرمانبرداری کا راستہ ہے نافرمانی کا راستہ ہے،ان دونوں راستوں کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دے دی ہے اور پھر اس راستے کو مزید تاکید کے لیے اور سمجھانے کے لیے کہ کون سا راستہ خیر کا ہے اور کون سا راستہ شَر کا ہے اپنے رسول اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمائے ہیں اپنی کتابیں نازل کی ہیں،اللہ کے رسول آئے ہیں اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں ہمارے لیے آئے ہیں ہماری ہدایت کے لیے آئے ہیں اور تفصیل سے ان مسائل کو بیان کیا کیا گیا ہے (تفصیل سے) کہ جنت کی طرف جو راستہ جاتا ہے اس پر کیا کرنا ہوگا کیسے چلنا ہوگا جنت کیسے ملے گی،دوسرا راستہ جو ہے وہ جہنم کا راستہ ہے اس پر کس چیز سے بچنا ہوگا کیا نہیں کرنا ہوگا جہنم سے بچنے کے لیے،اور اگر کیا کروگے تب جہنم رسید ہوگے،سب واضح ہو چکا ہے۔واللہ! اساس سے لے کر (بنیاد سے لے کر) اوپر تک جہاں تک بھی جاتے ہو صغیرہ گناہ سے لے کر سب سے بڑے کبیرہ گناہ شرک اور کفر تک بھی،نفاق کی بھی تفصیل موجود ہے﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں دوسرا معنی بھی ہے کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے اسے ماں کے سینے کی طرف ہدایت دے دیتے ہیں؛یہ معنی بھی صحیح ہے دونوں معنی صحیح ہیں۔"نجدین"اُبھری ہوئی جگہ کو کہتے ہیں،"نجد"اُبھری ہوئی جگہ کو کہتے ہیں اور ماں کے دونوں سینے جو ہیں اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بچے کو ہدایت دے دیتا ہے پیدا ہوتے ہی﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ کہ تمہارا رزق ابھی ماں کے سینے میں ہے(سبحان اللہ)۔

دونوں راستے دکھا دیئے ہیں رزق مہیا کر دیا ہے، دو آنکھیں بھی دی ہیں دیکھنے کے لیے تاکہ حق کو دیکھا جائے، ایک زبان اور دو ہونٹ بھی ہیں تاکہ حق بولا جائے، دو راستے بھی دکھا دیئے کہ خیر کا راستہ اپنایا جائے اور شَر کے راستے سے دوری اختیار کی جائے، یہ انسان جو کہتا رہتا ہے میں بڑا کچھ کرنے والا ہوں اگر نعمتیں ہماری نہ ہوتیں تو یہ کسی چیز کے لائق بھی نہیں تھا۔

پھر بھی اگر یہ کہتا ہے کہ میں نے کچھ کرنا ہے یا میں کچھ کر چکا ہوں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴾ (پس وہ نہ داخل ہوا ﴿ الْعَقَبَةَ ﴾ یعنی گھاٹی میں، اور آپ کیا سمجھیں کہ عَقَبَة کیا ہے یا گھاٹی کیا ہے)۔

عَقَبَة کہتے ہیں پہاڑ کے اس مشقت والے راستے کو جس کو پار کرنا بہت مشکل ہوتا ہے؛ یہ انسان جو بڑی بڑی باتیں کرتا ہے اگر واقعی یہ خیر کا راستہ چاہتا ہے تو پھر اسے چاہیے کہ مشکل راستے سے ذرا گزر کر دکھائے! بڑا سینہ تان کر کہتا ہے کہ میں دنیا کا بڑا سامنا کرنے والا ہوں حقیقتاً جس کا اس نے سامنا کرنا ہے کیا کبھی اس کے بارے میں سوچا بھی ہے اس نے؟!

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾: عقبۃ میں کبھی داخل ہوا ہے؟! اقتحام دخول کو کہتے ہیں اصل بات اس عَقَبَة کو پار کرنا ہے؛ تو کبھی داخل ہوا ہے چلو پار تو دور کی بات ہے اس کے قریب بھی کبھی گزر کر دیکھا ہے عَقَبَة ہے کیا؟!

اس لیے اللہ تعالیٰ نے سوالیہ انداز میں اس بات کا مزید تاکہ شوق پیدا ہو اور اس کی اہمیت کا پتہ چلے: ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴾: اے میرے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کیا جانیں کہ عَقَبَة کیا ہے؟! یہ عَقَبَة کیا ہے یہ مشکل راستہ کیا ہے؟ مشکل گھاٹی کیا ہے جس کو پار کرنا ہے اور پار کرنے والا ہی کامیاب ہوتا ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہوتا ہے کہ میں نے دنیا میں کچھ کر کے دکھایا ہے؟ آیئے دیکھتے ہیں یہ عَقَبَة کیا ہے۔

چند مثالیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں چند مثالیں ہیں:

﴿ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴾: سب سے پہلے گردن آزاد کرنا یا اسیر کا آزاد کرنا دونوں ٹھیک ہیں۔ گردن کا آزاد کرنے سے مراد دو چیزیں ہیں کہ یا تو غلام کو غلامی سے آزاد کرنا ہے، یا جو جنگ میں اسیر ہے یا کسی وجہ سے بھی وہ قید میں قید خانے میں بند ہے اسے آزاد کرنا ہے۔ اس کے لیے بہت بھاری رقم کی ضرورت ہے پیسوں کی ضرورت ہے؛ کہتا ہے: ﴿اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾: کبھی مال اِدھر بھی خرچ کیا ہے تم نے؟! ابھی کیا کہہ رہا تھا یہ انسان؟ ﴿اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾۔ ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴾: اب یہ گھاٹی ہے تمہارے سامنے آئی ہے دنیا میں کئی ایسے موقع تمہارے سامنے آئے ہیں، کسی ضرورت مند کو ضرورت تھی تمہاری مدد کی کیا اس کی تم نے مدد کی تھی؟! یہ تو صرف ایک مثال ہے کیونکہ زیادہ رقم کی ضرورت ہے۔

آپ کے سامنے زندگی میں کوئی ایسا شخص آئے جو مریض ہے اس کو آپریشن کی ضرورت ہے آپ کے پاس پیسہ بھی ہے بہت تم نے پیسے کمائے بھی اور خرچ بھی کئے ہیں، کبھی امریکہ جارہے ہو سیر پر کبھی یورپ جارہے ہو کبھی کسی اور جگہ پر جارہے ہو بہت سارا پیسہ خرچ کیا ہے کبھی اس کی مدد بھی کی ہے تم نے؟! وہ زندگی موت کی کشمکش میں ہے وہ زندہ رہنا چاہتا ہے اس کے بچے بھی ہیں اس کی بیوی بھی ہے اس کی اولاد بھی ہے وہ تمہاری طرح جینا چاہتا ہے اسے صرف جینے کے لیے ایک آپریشن کی ضرورت ہے؛ یہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے نا لیکن ایک سبب ہے کہ ڈاکٹر آپریشن کرے گا اور وہ صحت یاب دوبارہ ہو سکتا ہے اپنے بچوں میں واپس آسکتا ہے، مرض میں مبتلا ہے اس کو آپریشن کی ضرورت ہے کیا اس کی مدد کی آپریشن میں؟! تیس ہزار ریال لگتے ہیں مثال کے طور پر یا اس سے زیادہ یا اس سے کم مدد کی تھی تم نے اس کی؟!

ایک سفر پر تم چالیس، پچاس پچاس ہزار خرچ کر کے آئے ہو اُڑا کر آئے ہو نافرمانی اپنے ربّ کی کر کے آئے ہو اور کہتے ہو ﴿اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا﴾ یہاں پر کبھی کوئی مال خرچ کیا ہے؟! تو گردن کو آزاد کرنا غلامی سے آزاد کرنا جب غلامی موجود تھی اس کے علاوہ بھی جہاں پر پیسہ لگتا ہے وہاں پر پیسہ خرچ کر کے کسی مصیبت زدہ شخص کی مصیبت کبھی دور کرنے کی کوشش بھی کی ہے؟! کبھی اس کے بارے میں سوچا بھی ہے؟! ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾۔

﴿اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ﴾: یہ کھانا کھلانا بھوک والے دن میں کبھی کسی بھوکے کو بھی کھانا کھلایا ہے، خود تو خوب کھاتے ہو خوب پیتے ہو! اور یہ سچ بات ہے بھائیو! بعض اوقات ہمیں خبر تک یا شعور تک نہیں رہتا شاید دنیا میں ہم بھی مگن ہو گئے ہیں (إلا من رحم الله سبحانه وتعالى) کہ پڑوسی بے چارہ بھوکا ہوتا ہے اور ہمارا کھانا گندگی میں بچا ہوا پڑا ہوتا ہے! ہوتا ہے کہ نہیں ہوتا اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں! واللہ! بعض شادی بیاہ میں آپ دیکھ لیں ولیموں میں دیکھ لیں کیا ہوتا ہے؟! واللہ! گندگی کے جو بڑے ڈبے ہیں نا تقریباً یعنی آدھے سے زیادہ بھرا ہوا تھا! یہی چاول تھے اس میں گوشت پڑا ہوا تھا، اور اسی شہر میں اسی جگہ پر واللہ! ایسے مسکین فقیر موجود ہیں جو بھوکے ہیں: ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾۔

شادی پر تو بڑا تم نے خرچ کیا لوگوں نے واہ واہ بھی کر دی ہے کہ کیا شادی تھی کیا ولیمہ تھا کیا کھانا تھا! تعریفیں تو لوگوں نے دے دی ہیں تم نے بھی بڑا سینہ تان کر کہہ دیا کہ میں نے بہت سارا مال خرچ کیا ہے مال خرچ کر کے آیا ہوں لیکن کیا تم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ تمہارا مال کس طرف جارہا ہے؟! کیا یہ گمان کرتے ہو کہ کوئی دیکھ نہیں رہا ہے اس کا حساب نہیں لینے والا کوئی؟! کبھی ایسے دن میں مسغبۃ کے دن میں جب شدید بھوک، قحط سالی ہو کیا اس وقت تم نے کبھی کسی کو کھانا کھلایا ہے؟!

خصوصی طور پر: ﴿يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾: قرابت دار یا رشتے دار یتیم کو۔

تمہارا یتیم ہے تمہاری فیملی میں ہے، تمہارا یتیم رشتے دار ہے تمہاری فیملی میں ہے لیکن ہے یتیم!

یتیم کسے کہتے ہیں؟ جس کا باپ بلوغت سے پہلے مر جائے یہ یتیم ہے اور رشتے دار یتیم کا زیادہ حق ہوتا ہے۔

یتیم معاشرے کا کمزور ترین انسان ہوتا ہے اگرچہ امیر ہی کیوں نہ ہو لیکن یتیم ہے باپ کا سایہ سر پر نہیں ہے اب وہ کمزور ہو گیا ہے، اس کی زندگی عجیب سی گزرتی ہے! یعنی اس کی حسرت ہی کافی ہوتی ہے اس کے لیے دوسرے بچوں کو دیکھتا ہے کہ کسی نے بچے کو اُٹھایا ہوا ہے، کوئی بچے کو پیار کر رہا ہے کوئی اسے خرچ دے رہا ہے، کسی نے اپنے بچے کو سینے سے لگایا ہوا ہے، اور یہ بے چارا ورسے دیکھتا رہتا ہے اور حسرت ہوتی ہے کہ کاش میرا بھی آج باپ ہوتا جو میرے ساتھ اس طریقے سے مجھے سے پیار کرتا مجھے اُٹھاتا اپنے سینے سے لگاتا!

تو یہ حسرت اس کے لیے کافی ہے اس کے باوجود بھی اس کے ساتھ ساتھ اگر اسے کوئی تکلیف ہے کوئی درد ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، اگر وہ بھوکا ہے پیاسا ہے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے، اے انسان! تو کہتا ہے کہ میں بہت زیادہ مال خرچ کرتا ہوں اور بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنے والی یہ طاقت میرے پاس موجود ہے یہ صلاحیت موجود ہے تو تمہیں صلاحیت ہم نے دی ہے ساری لیکن کیا کبھی اس راستے سے گزر کر دیکھا ہے تم نے؟! کبھی اس قریب رشتے دار یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا ہے؟! کبھی اس کی بھوک مٹانے کی کوشش کی ہے تم نے؟! یہ عَقَبَۃ ہے جو تم نے پار کرنا ہے: ﴿يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾۔

﴿أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ (یا خاک نشین مسکین کو): مسکین ہے ﴿ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ ہے۔

مسکین جس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے یعنی ایسی بے چارے کی زندگی ہے مٹی کے سوا اس کے ہاتھ میں کچھ ہے نہیں! اُس کے ہاتھ مٹی میں ملے ہیں کچھ بھی نہیں ہے اُس کے پاس خاک نشین مسکین ہے! کبھی اس مسکین کی خبر لی ہے تم نے اے انسان کبھی اس کو بھی کھانا کھلایا ہے؟! کبھی اس کی بھی خبر لی ہے کبھی اس کا بھی حال پوچھا ہے؟!

ہمارے محلے میں ہماری جگہوں میں کتنے ایسے مسکین ہیں! اگر کبھی ہمیں یاد آتے ہیں تو پھر عیدوں پر شاید آتے ہوں، یا زکوۃ الفطر جب ہم بانٹتے ہیں تب شاید ہمیں کوئی یاد آتا ہو کہ چلو زکوۃ الفطر کیونکہ (نعوذ باللہ) گردن سے اس فرضیت کو اُتارنا ہے تو پتہ ہوتا ہے کہ یہ بھی مسکین ہے وہ بھی مسکین ہے پھر جاتے ہیں اور زکوۃ الفطر دیتے ہیں؛ پورا سال کہاں ہوتے ہیں؟! وہی گھر ہیں وہی لوگ ہیں جن کو سال میں ہم ایک دفعہ جاتے ہیں زکوۃ الفطر دینے کے لیے پورا سال بھوکے رہتے ہیں کچھ ہے نہیں ان

کے پاس! باقی دن ہم کیا کرتے رہتے ہیں پورے سال اُن کی خبر کیوں نہیں لیتے؟! کیونکہ عَقَبَۃ ہے اور عَقَبَۃ میں داخل ہونا مشکل ہے کہ نہیں؟

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ﴾: تو کیا جانے عَقَبَۃ ہے کیا؟! عَقَبَۃ یہ ہے بہت مشکل کام ہے لیکن آسان اُس کے لیے ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے؛ ہو سکتا ہے یہ۔

کیا بہت بڑی بات ہے یہ کہ اپنے پڑوسی کی خبر رکھنا، آپ کے جو یتیم ہیں جو آپ کے رشتے دار ہیں اور وہ بھوکا ہے اس کی بھوک کو مٹانا، وہی کھانا جو تم کھاتے ہو اس کو ایک پلیٹ بھیج دو کتنا کھائے گا وہ! لیکن کرنے کے لیے کوئی ہے؟! دیکھا جائے تو مشکل نہیں ہے، ہے آسان لیکن جب انسان نہیں کرتا اس لیے بہت مشکل ہے اور اس لیے عَقَبَۃ میں اس کو شمار کیا گیا ہے۔

پھر سب سے اہم بات رہ گئی ہے کہ عَقَبَۃ کو اگر پار کرنا ہے یہ ساری باتیں ایک طرف ہیں ایک سب سے اہم بات باقی ہے جب تک وہ نہیں ہوگی تو عَقَبَۃ پھر پار نہیں ہو سکتا؛ اگر یہ باتیں ہیں کسی شخص کی زندگی میں کہ وہ گردن بھی آزاد کرتا ہے وہ پیسہ بھی خرچ کرتا ہے مدد بھی کرتا ہے مسکینوں کی کھانا بھی کھلاتا ہے، یتیموں کو بھی کھانا کھلاتا ہے مسکینوں کو بھی کھانا کھلاتا ہے اور لوگوں کی مدد بھی کرتا ہے خبر بھی رکھتا ہے لیکن اس کی زندگی میں سب سے اہم بنیادی چیز جو ہے وہ نہیں ہے کہ اُس نے عَقَبَۃ کو پار نہیں کیا وہ کیا چیز ہے آیئے دیکھتے ہیں۔

پھر ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ((یہ اصل بات ہے) پھر ہو اُن لوگوں میں سے جو ایمان لائے ہیں): ایمان والے ہیں؛ کیا ایمان والا بھی ہے کہ نہیں؟

کافر جو بھی عمل کرتا ہے اس کا بدلہ اس کو دنیا میں اللہ تعالیٰ دے دیتا ہے کیونکہ وہ مومن نہیں ہے تو اس نے عَقَبَۃ کو پار نہیں کیا ہے؛ اصل عَقَبَۃ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی پکڑ سب سے بڑی سزا سے بچالو اور وہ کیا ہے؟ جہنم ہے۔

اس لیے ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: اصل بات یہ ہے کہ اس نے یہ سارے کام تو کیے ہیں لیکن وہ اہل ایمان میں سے ہیں؛ جو بھی اچھے کام اس نے کیے ہیں ہے یہ اہل ایمان میں سے اور یہ دونوں چیزیں لازم اور ملزوم ہیں میرے بھائی! جس کا جتنا ایمان مضبوط ہوگا اور زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کے لیے عَقَبَۃ پار کرنا اور عَقَبَۃ میں داخل ہونا آسان ہوگا، اور جس کا جتنا ایمان کمزور ہوگا عَقَبَۃ اس کے لیے اتنی ہی مشکل ہو جائے گی پھر کافر کے لیے کیونکہ آخرت ہے ہی نہیں اس لیے اُس کے لیے عَقَبَۃ ہے ہی نہیں، کافر مدد کرے نہ کرے اسے کیا فرق پڑتا ہے؟! اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ کافر خیر کے کاموں میں سر گرم ہوتے ہیں بہت آگے ہوتے

ہیں، کبھی جانور کی مدد کر رہے ہیں سانپوں کو پالا ہوا ہے اُن کو بھی خوراک دے رہے ہیں؛ جانور ہے ترس آتا ہے سانپوں پر بھی ترس آتا ہے اُن کو پال رہے ہیں کوئی فرق نہیں پڑتا اُن کو۔

الغرض؛ مدد وہ بھی کرتے ہیں بھوکے کو وہ بھی کھانا کھلاتے ہیں اور لوگوں کی مدد بھی کرتے ہیں لیکن کیا عَقَبَۃ پار کیا اُن لوگوں نے ؟ نہیں کیا ہے کیونکہ اصل چیز اُن کے اندر موجود نہیں ہے جو اہل ایمان کے پاس ہے اور اہل ایمان کے لیے عَقَبَۃ کو پار کرنا بھی مشکل ہو گیا ہے آج! چھوٹی سے چھوٹی بات آج ہمیں بہت بڑی لگتی ہے، چھوٹی سی فرمانبرداری بھی آج ہمیں بہت بڑی لگتی ہے (إلا من رحم الله سبحانه وتعالى)۔

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: ﴿الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے کیا مراد ہے؟ وہ لوگ جو ایمان لے کر آئے ہیں۔ کس چیز پر ایمان لائے ؟ "من يجب الإيمان به" (جس چیز پر ایمان لانا واجب ہے)۔ کس چیز پر ایمان لانا واجب ہے ؟ دیکھیں ایمان ایک لفظ ہے ہم اپنے منہ سے کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں مومن ہوں، نہیں! ایمان جو ہے مجموعہ ہے، ایمان زبان کا قول بھی ہے دل سے یقین بھی ہے اور جسم سے عمل کا نام بھی ہے۔ تو تین چیزوں کے مجموعہ کو ایمان کہا جاتا ہے لیکن ایمان کس چیز پر ہونا ہے؟ زبان سے ہم نے کس چیز کا اقرار کرنا ہے؟ دل سے کس چیز پر یقین رکھنا ہے؟ اور عمل کس چیز پر کرنا ہے؟ ارکان ایمان جو چھ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حدیث جبریل (علیہ الصلاۃ والسلام) کی حدیث میں صحیح مسلم کی روایت میں "الإيمانُ: أَنْ تُؤْمِنَ بِاَللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ والْيومِ الآخِرِ، وتُؤْمِنَ بالقَدَرِ خَيْرِهِ وشَرِّهِ" (اللہ تعالیٰ پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر ایمان، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر ایمان، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان، پھر یوم آخرت پر ایمان، اور پھر تقدیر پر ایمان اچھی ہو یا بُری ہو)۔ یہ چھ ارکان ہیں ایمان کے ان پر ایمان لانا ہر مسلمان پر فرض ہے اگر اِن میں سے ایک پر بھی ایمان نہیں ہے یا شک ہے تو وہ شخص مسلمان ہو ہی نہیں سکتا، اہل ایمان میں سے اُس کا شمار ہو ہی نہیں سکتا۔

اس لیے ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾: سب سے پہلے اس کی یہ خصوصیت ہے کہ اہل ایمان میں ہے؛ ﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (اور انہوں نے وصیت کی باہم صبر کی اور باہم رحم کھانے کی)۔ اہل ایمان ہیں ناں اب ایک دوسرے کو وصیت بھی کرتے رہتے ہیں صبر کرنے کی وصیت اور ایک دوسرے پر رحم کرنے کی وصیت۔ صبر اکیلا کافی نہیں ہے مجبور بھی صبر کر ہی لیتا ہے اصل بات یہ ہے کہ کوئی صبر کرے اپنے ربّ کے لیے:

﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ﴾ (المدثر: 7): اللہ کے صبر کرنا ہے اپنے ربّ کے لیے صبر کرنا ہے۔

اور کیونکہ انسان کو بہت ساری مشکلات جیسا کہ کبد میں پیدا کیا ہے کبد کے لیے کس چیز کی ضرورت پڑتی ہے سب سے پہلے ؟ صبر کی ضرورت پڑتی ہے، رحم کی ضرورت پڑتی ہے اُس کے ساتھ ساتھ ؛ صبر کرو اپنے نفس پر بھی رحم کرو اور دوسروں پر بھی رحم کرو، اور یہ اہل ایمان ہی کر سکتے ہیں کوئی اور نہیں کر سکتا۔

کافر صبر کس چیز پر کرے گا ؟ کافر اگر صبر کرتا ہے تو وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے صبر کرتا ہے بس اپنے ربّ کے لیے صبر نہیں کرتا کیونکہ ربّ کو جانتا ہی نہیں ہے وہ، رحم کرتا ہے ذاتی مفاد کے لیے ایسے نہیں کرتا، کم سے کم تعریف بھی اس کی کی جائے ناتب وہ رحم کے گا دوسروں پر صرف تعریف کو حاصل کرنے کے لیے۔

مومن ایسا نہیں کرتا اگر وہ تعریف کے لیے کسی کی مدد کرتا ہے تو ریاکاری ہے اس کو کوئی فائدہ نہیں ہے اس کے لیے۔

تو اہل ایمان جو ہیں سب سے پہلے ایمان ہے ، پھر ایک اور خوبصورت یہاں پر صفت ہے ﴿ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ﴾: پھر ایک اور خوبصورت صفت ہے ﴿وَتَوَاصَوۡا بِالۡمَرۡحَمَةِ﴾: ایک دوسرے پر رحم کرنے کے لیے وصیت کرتے رہتے ہیں۔

صبر ربّ کے لیے کرنا ہے اور رحم کرنا ہے دوسروں پر اپنے گھر والوں پر، سب سے زیادہ حق اپنے والدین کا ہے میرے بھائی ! اپنے والدین پر رحم کرو، اپنی بیوی پر رحم کرو بچوں پر رحم کرو، قریبی رشتے داروں پر رحم کرو، اپنے دوستوں پر رحم کرو، اپنے پڑوسیوں پر رحم کرو، اپنے نفس پر رحم کرو۔ جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ کی رحمت کا حقدار نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں ؛ تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا جو زمین والوں پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حقدار نہیں ہے۔ خصوصی رحمت ہے ورنہ عام رحمت میں تو کافر، جانور بھی شامل ہیں نا ! اگر ربّ کی خصوصی رحمت چاہتے ہو اگر اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے بننا چاہتے ہو تو اپنے نفس پر رحم کرو اور دوسروں پر بھی رحم کرو۔

جن کی یہ صفات ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتے ہیں :

﴿أُولَٰٓئِكَ أَصۡحَٰبُ ٱلۡمَيۡمَنَةِ﴾ (یہی لوگ ہیں خوش نصیب داہنے ہاتھ والے)۔

دنیا میں خوش نصیب ہیں اور آخرت میں داہنے ہاتھ والوں کے ساتھ ہوں گے اُن کو نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں ملے گا اور دنیا میں خوش نصیب ہیں۔ خوش نصیبی کیا ہے ؟ دوسروں کی طرح یہ بھی زندہ رہے ہیں، دوسروں کی طرح یہ بھی کھاتے رہے ہیں پیتے رہے ہیں مشقتیں انہوں نے بھی برداشت کی ہیں دوسروں کی طرح، اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں دی ہیں ایک زبان اور دو ہونٹ دیئے ہیں دوسروں کی طرح لیکن یہ عَقَبَة کو پار کرنے والے ہیں دوسروں نے عَقَبَة کو پار نہیں کیا ہے، یہ اہل ایمان میں

سے ہیں﴿ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾ میں سے﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ میں سے ہیں، اپنے نفس پر رحم کرتے رہے دوسروں پر بھی رحم کرتے رہے صبر کرتے رہے ہر تکلیف اور مشقت میں اپنے ربّ کے لیے صبر کرتے رہے ، اہل ایمان میں سے ہیں اُن کا عقیدہ درست ہے توحید اور سنت پر قائم رہے ہیں صحیح منہج پر قائم زندگی میں رہے ہیں، دنیا میں خوش قسمت خوش نصیب۔

واللہ میرے بھائیو! بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر یہ ساری نعمتیں نازل فرمادے، خصوصی طور پر توحید اور سنت اور صحیح منہج کی جو نعمت ہے واللہ بہت بڑی نعمت ہے کاش ہم آج اس کی قدر جانتے ہوتے! واللہ بہت سارے لوگ بے قدرے ہیں! پیدائشی جو ہیں نا کئی پیدائشی اہل حدیث ہیں اُن کو پتہ نہیں ہے کہ اہل حدیثیت ہوتی کیا ہے اس کی قدر کیا ہے؟! دائیں بائیں دیکھتے ہیں کہ لوگ کوئی شرک کی طرف کوئی بدعت کی طرف جارہاہے کوئی ڈوباہواہے شرک اور بدعت میں لیکن پھر بھی ان کو پرواہ نہیں ہوتی!

اہل حدیث اور جو سلفی ہوتے ہیں وہ عام لوگوں میں سے نہیں ہیں، اہل حدیث "حدیث" کا لفظ ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، سلفی میں سلفیت "سلف" کا لفظ جوڑ دیا گیا ہے، اور حدیث علم ہے اور سلف علماء تھے، تو اہل حدیث اور سلفی جو ہوتا ہے وہ طالب علم ہوتا ہے ، کوئی سلفی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو طالب علم نہ ہو کم سے کم بنیادی علم اسے آنا چاہیے اسے پتہ ہو کہ بنیادی علم ہے کیا، واللہ بڑی نعمت ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے لیے ہم نے اللہ کا شکر ادا کرنا ہے اور شکر عمل سے کرنا ہے اور عمل اور علم دونوں لازم اور ملزوم ہیں تو اس لیے علم میں ہمیں آگے جانا پڑے گا اور عمل بھی آسان ہو جائے گا اللہ تعالیٰ کی رحمتیں بھی نازل ہوتی رہیں گی۔

﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ﴾ یہ تو ایک طرف ہو گئے:

﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴾(اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ اصحاب مشئمۃ میں سے ہیں (وہ بدبخت لوگ ہیں اور اصحاب مشئمۃ میں سے ہیں))

﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾(اُن پر آگ کو بند کر دیا گیا ہے)۔

وہ لوگ جو کفر پر اترے ہوئے ہیں اپنے ربّ کے نافرمان ہیں اپنے ربّ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، جن آیتوں کا اللہ تعالیٰ نے یہاں پر ذکر کیا ہے ان کو جھٹلاتے ہیں پورے قرآن مجید کو جھٹلاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو جھٹلاتے ہیں ، دین کو جھٹلاتے ہیں تو ایسے لوگ جو ہیں وہ بدبخت لوگ ہیں! اس دنیا میں یہ بھی زندہ ہیں دوسروں کی طرح، اہل ایمان کی طرح یہ بھی موجود ہیں، اِن کے پاس وہی کچھ ہے جو دوسرے لوگوں کے پاس ہے جو اہل ایمان کے پاس ہے لیکن عَقَبَۃ پار نہیں کر سکے!

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے ربّ کو پہچان نہیں سکے، جس ربّ نے اُن کو پیدا کیا ہے بہترین ساخت پر پیدا کیا ہے، مشقتیں اور تکلیفیں اس لیے دیں تاکہ یہ صبر کرتا ہے اور اپنے ربّ کی طرف رجوع کرتا ہے، صبر بھی کیا لیکن اپنے ربّ کو جانا نہیں اور رجوع اپنے ربّ کی طرف نہیں کیا؛ یہ بھی دنیا گزار چکا ہے دنیا میں بدبخت تھا یہ!

آج کافر ہمیں خوبصورت نظر آتے ہیں کہ شکلیں اُن کی خوبصورت جگہیں اُن کی خوبصورت موسم اُن کا خوبصورت لیکن حقیقت میں کیا لوگ ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ بدبخت لوگ ہیں یہ!

نہ تو دنیا اِن کے ہاتھ میں آئی دنیا پیچھے چھوڑ کر جائیں گے جیسا کہ دوسرے چھوڑ کر جا رہے ہیں اور نہ ہی آخرت میں ان کے لیے کوئی حصہ باقی ہے سوائے جہنم کے! ﴿عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ﴾: اُن پر آگ کو بند کر دیا گیا ہے اس میں سے کبھی نکلیں گے نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب ہے! (نعوذ باللہ)۔

آپ کو پتہ ہے کہ جہنم کے عذاب کی شدت کتنی ہے کون بتا سکتا ہے؟! جہنم کے عذاب کی شدت اور سختی کتنی ہے کون بتا سکتا ہے؟! دنیا میں کوئی بتا سکتا ہے؟! نہیں بتا سکتا! کون بتا سکتا ہے؟ جس نے کبھی اس عذاب کو چکھا ہے وہ بتا سکتا ہے نا! تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بھی فرما دیا ہے ذرا غور کریں: سورۃ غافر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ فِى النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادۡعُوۡا رَبَّكُمۡ يُخَفِّفۡ عَنَّا يَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ ۝٤٩﴾ (غافر: 49)۔

﴿وَقَالَ الَّذِيۡنَ فِى النَّارِ﴾ (اور کہا اُن لوگوں نے جو آگ میں ہیں جہنم میں ہیں)۔ کس سے کہا؟ ﴿لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ﴾۔ اپنے ربّ سے کیوں نہیں کہا؟ کیونکہ دنیا میں ربّ کو جانتے نہیں تھے؛ یہاں پر بھی کس منہ سے ربّ کو پکاریں گے؟! کس منہ سے کہیں گے اے اللہ ہماری اس وقت مدد فرما؟ اے اللہ ہم مصیبت میں ہیں ذرا آسانی فرما! کہہ سکتے ہیں؟! نہیں!

دنیا میں کبھی جانا نہیں تھا آخرت میں بھی "الجزاء من جنس العمل" جیسا کیا تھا آج وہی اس کا جواب دے رہے ہیں۔

﴿لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ﴾ (جہنم کے داروغہ سے کہا جا کر)؛ اور جہنم کا داروغہ خاص فرشتہ مقرر ہے: ﴿عَلَيۡهَا مَلٰۤئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾ (التحریم:6): جہنم کا داروغہ کوئی عام فرشتہ نہیں ہے ﴿غِلَاظٌ شِدَادٌ﴾ سب سے سخت ترین اور خوفناک ترین فرشتے ہیں!

﴿لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ﴾ ان فرشتوں سے کیا کہا؟ ﴿ادۡعُوۡا رَبَّكُمۡ﴾: واللہ ایک ایک لفظ میں دیکھیں نور ہے: ﴿ادۡعُوۡا﴾: تم پکارو ہم نہیں پکار سکتے ہم اس قابل نہیں ہیں، تم پکارو ہماری سفارش کرو۔ کسے پکارو ربّنا یا ربّکم؟ ﴿رَبَّكُمۡ﴾۔ ربّنا کیوں نہیں؟ دنیا میں ربّ کو پہچانا نہیں تھا اب کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ربّنا (اے ہمارے ربّ)؟! یہ بھی نہیں کہہ سکتے اس کی اجازت بھی نہیں ہے!

(سبحان اللہ)۔ "تم اپنے ربّ سے ہماری سفارش کرو" ہمیشہ کا عذاب ختم کرنے کی سفارش ہو رہی ہے؟ ﴿يُخَفِّفْ﴾: ختم نہیں ﴿يُخَفِّفْ﴾ صرف کم کردے، ﴿عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾: صرف ایک دن کے عذاب کو کم کردے بس یہ ہمارے لیے کافی ہے۔ واللہ! اس سے بڑھ کر خوفناک آیت نہیں دیکھی میں نے اتنا شدید عذاب کبھی کسی نے سوچا ہے؟!

بعض روایات میں آیا ہے کہ وجہ کیا ہے کب کہیں گے یہ؟ کہ کچھ کھانے پینے کو نہیں ملے گا شدید بھوک ہو گی تو کہیں گے چیخیں گے چلائیں گے بھوک سے تڑپ اُٹھیں گے، کھانا دیا جائے گا﴿لَّيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِن ضَرِيعٍ﴾(الغاشیہ: 6): کانٹے دار کھانا دیا جائے گا حلق میں جا کر پھنس جائے گا پھر پانی کے لیے ترسیں گے: ﴿غُصَّةٍ﴾: ﴿غُصَّةٍ﴾ کسے کہتے ہیں؟ ﴿وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ﴾ (المزمل: 13): یعنی جو گلے میں پھنس جاتا ہے نیچے نہیں اترتا اور پورا منہ کٹ جائے گا کانٹے دار کھانا ہے!

پانی کا کہیں گے: ﴿مَآءً حَمِيمًا﴾(محمد: 15): ابلتا ہوا پانی جس سے چہرے جل جائیں گے سر بھی جل جائے گا اور جب پیٹ کے اندر جائے گا تو آنتیں بھی کٹ جائیں گے! جب یہ مسلسل رہے گا تب چیخ اُٹھیں گے اور کہیں گے: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ﴾: صرف ایک دن کے عذاب کی تخفیف چاہیے ختم کی بات ہم نہیں کر رہے، صرف تخفیف ہو جائے تھوڑے سے عذاب میں کمی ہو جائے اب برداشت نہیں ہوتا!

یہ آیت ہم اس وقت پڑھ رہے ہیں کہ جہنم میں تھوڑا سا عذاب بھی قابل برداشت نہیں ہوتا اُس کی تخفیف کے لیے خاص گزارش کی جا رہی ہے۔ اور کس سے کی جا رہی ہے؟ فرشتوں سے جو کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔

آج ہم کچھ کر سکتے ہیں اس دن سے بچنے کے لیے، اُس دن ہم نے حساب دینا ہو گا بچنے کا کوئی اور چارا نہیں ہو گا! اور اُن کی نہ سفارش کوئی ہو گی اور نہ ہی اُن کی کوئی بات سنے گا (اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے) واللہ أعلم۔

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضیٰ بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس (090: سورۃالبلد کی مختصر تفسیر) سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio